شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبد الخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

جون 2011ء/ جمادی الثانیہ، رجب 1432ھ – جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 6 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 12 روپے – سالانہ ممبرشپ: مبلغ 150 روپے – تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 400 روپے

حضرت اقدس مولانا

ارشادِ گرامی

شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''انسان کی اصل کیا ہے؟ ایک قطرۂ منی۔ جو کپڑے پر لگے تو صابون سے دھو ڈالیں۔ پھر جسم بنا خونِ حیض سے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں، جن سے انسان کو گھن آئے۔ مگر باری تعالیٰ کا کمال ہے کہ اُس نے ایسے بچے بنائے ہیں، جسے ہر کوئی چومے چاٹے۔

(اصل بات یہ ہے کہ) اپنے اندر جو خوبی نظر آتی ہے، سب اُدھر سے نظر آتی ہے۔ اور اُسی کا کمال ہے۔ اپنے اندر تو سب نقص ہی نقص اور عجز ہی عجز ہے۔ انسان کو اپنی حقیقت جاننی چاہیے۔ اور اپنے پیش نظر رکھنی چاہیے۔ جو کوئی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے، وہ ولی کہاں ہوا! کیوں کہ قرآن پاک میں ہے کہ خدا تعالیٰ تکبر کرنے والوں، شیخی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کے بندے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ جو کچھ بن آئے، خدا کی قدرت اور توفیق سے ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے خلاف سمجھنا ان حضرات کے ہاں یہی تو شرک ہے۔

''الحمد'' میں الف لام استغراق کا ہے۔ کہ جو خوبی کہیں بھی ہے، سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہر خوبی خداوند تعالیٰ ہی میں ہے۔ انسان تو انسان میں سب خوبیاں وہیں حاصل ہوئیں، اپنے اندر کوئی خوبی نہیں ہے۔ اور اپنے اندر کوئی خوبی سمجھنا اُن کے ہاں شرک ہے۔''

(مجلس 28 رمضان المبارک 1365ھ/ 26 اگست 1946ء، بروز: سوموار۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، ص: 71-70۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: مخالفین انقلاب کو تنبیہ 2

درسِ حدیث: حکمت و شعور کے حصول کا طریقہ 2

اداریہ: نئے بجٹ کی آمد اور مہنگائی کا بڑھتا ہوا سیلاب! 3

خطبہ جمعہ: دین اسلام میں حقوقِ انسانی کی اہمیت 4

اہم خطاب: نوجوانوں کو دینی انقلاب کے نظریے کا شعور دیجیے! 6

دینی مسائل: دینی حوالے سے آپ کے سوالات کے جوابات 8

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبد المتین نعمانی (بورے والا)

حضرت مولانا مفتی عبد القدیر (چشتیاں)

حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی (لاہور)

حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)

حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)

حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)

محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)

حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)

محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)

محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)

محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن راؤ (سرگودھا)

محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)

محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)

حضرت مولانا عبد اللہ عابد سندھی (شکارپور)

حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)

حضرت مولانا محمد ناصر عبد العزیز (جھنگ)

حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)

محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ

مین کیمپس لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

کراچی کیمپس

رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21

راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی

0092-21-36321616 , 36320707

سکھر کیمپس

فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ

ریس کورس روڈ، سکھر

0092-71-5615185

ملتان کیمپس

رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی

چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان

0092-61-6212021

سالانہ ممبرشپ کی رقم ''ناظم دفتر'' کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ○ پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

تین سال کی ممبرشپ کے لیے مبلغ 400 روپے ارسال کریں۔ ○ **رحیمیہ** کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

مخالفینِ انقلاب کو تنبیہ

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيٓ أَخْرَجَتْكَ ۚ أَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ (47:113-14)

''اور کتنی سوسائٹیاں تھیں، جو اس تیری سوسائٹی سے جس نے تجھے نکالا، زیادہ زور آور تھیں۔ہم نے انہیں غارت کردیا۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ بھلا جو لوگ اپنے ربّ کے واضح راستے میں ہیں، ان کے برابر ہوسکتے ہیں جنہیں ان کا برا کام بھلا دکھایا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں؟''

مکے والوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو، جو انھیں اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تعلیم دیتے تھے، اتنا تنگ کیا کہ انہیں اپنے فکر کی حفاظت کرنے اور پھیلانے کے لیے مکہ معظّمہ سے نکل جانا پڑا' اور ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے؟ نہیں۔ مکے والوں سے بھی زیادہ مالدار طاقتور اور مضبوط سوسائٹیاں اور حکومتیں دنیا میں ہو چکی ہیں جو انسانیت سے گر کر اور حیوانیت میں ترقی کر کے بے احتیاط زندگی بسر کرتی تھیں۔ جب انہیں ان کی انسانیت یاد دلانے والے لوگ ان میں پیدا ہوئے تو انہوں نے ان نیک انسانوں کی مخالفت کی' نتیجہ دنیا کی تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہے۔ نمرود' فرعون وغیرہ طاقتور تھے' لیکن ان کے مقابلے میں ابراہیم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام وغیرہ باوجود کمزور ہونے کے کامیاب ہوئے۔ ان ''طاقتوروں'' کی تباہی کا وقت آیا' کسی طاقت نے ان کی مدد نہ کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی طاقت ظالم کو ہمیشہ اونچے مقام پر رکھ نہیں سکتی۔ ظلم کو آخر گرنا ہے۔ تو یہ بے چارے مکہ والے کب اس انجام سے بچ سکتے ہیں؟ یہ ایسی جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں جو نہیں معلوم کتنے عظیم الشان کل قومی انقلابوں کی پیشرو (Pioneer) ثابت ہوگی۔

ایک جماعت انقلاب کی بنیاد کو اپنی عقل سے صحیح جانتی ہے۔ اور اپنے دل کی شہادت سے مانتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسری جماعت ہے جو اجتماعیات کے اس انقلابی اصول کو محض بناوٹ سے مانتی ہے' ورنہ اصل میں اس کے افراد عوام سے انتفاع (Exploitation) کے اصول پر جمع ہوگئے ہیں۔ ان کا اجتماع ظاہری ہے' ان کے عملوں کی جو اصل حقیقت ہے' یعنی انتفاع (Exploitation)' وہ نہایت گھناؤنی ہے۔ لیکن پراپیگنڈہ کے زور سے اسے قوم پروری' خدمت وطن وغیرہ کے نہایت شاندار الفاظ سے ظاہر کر رہی ہے۔ جیسے موجودہ زمانے میں یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں کا حال ہے کہ ان کے آئین اور قانون کی بنیاد اصل میں تو انتفاع (Exploitation) پر ہے' لیکن جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے اور عام لوگوں کو وہ نظام اچھا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ لیکن جب اس قسم کا نظام ایسے انقلابی سے ٹکراتا ہے جس کی بنیاد صحیح انسانیت پر ہو تو اس ''خوشنما نظام'' کا ٹوٹ جانا لازم ہے۔ فرعون' نمرود' قیصر و کسریٰ کے نظام اسی قسم کے تھے۔ وہ ٹوٹ چکے' آئندہ بھی ایسے نظاموں کا یہی حشر ہوگا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے۔

وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ (چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر) یہ لوگ فقط اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں جن کی بنیاد حیوانیت پر ہے۔ ان کی کوئی عقلی یا اجتماعی بنیاد نہیں ہے۔ اگر ان کا پروگرام کامیاب ہوگیا تو یہ سرمایہ پرست جماعت اپنے فائدے کے لیے حکومت قائم کر کے بیٹھ جائے گی اور عوام سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہے گا۔

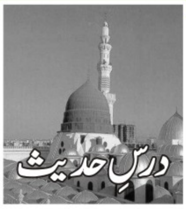

حکمت و شعور کے حصول کا طریقہ

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

''عن أبی ذرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه و سلّم: ما زهد عبد فی الدّنیا إلّا أنبت اللّٰه الحکمة فی قلبه، و أنطق بها لسانه، و بصّره عیب الدّنیا و داء ها و دواء ها، و أخرجه منها سالمًا إلٰی دار السّلام.''

''حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا سے منہ پھیر لیتا ہے، اللہ اس کے دل میں دانائی کی جڑ جما دیتا ہے۔ اس کی زبان سے عقل مندی کی باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ اللہ اس پر دنیا کے عیب ظاہر کر دیتا ہے۔ اسے بیماری سے خبردار کر دیتا ہے۔ اور اس کا علاج بتا دیتا ہے۔ اور دنیا سے اس کو صحیح و سالم نکال کر آرام اور چین کے گھر میں پہنچا دیتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، الفصل الثانی)

زُہد کے معنی ہیں: دنیا سے دل نہ لگانا۔ دنیا کی چیزوں سے بے زاری اختیار کرنا۔ حکمت ایک نور و روشنی ہے، جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ جس سے وہ ہر چیز کی تہہ کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ تجربہ کرتے کرتے انسان کو چیزوں کا اصل علم حاصل ہو جاتا ہے۔ نہیں! ایسا نہیں ہے۔ تجربے سے فقط چند اوپری خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اصل حقیقت کا کھوج، حکمت اور بصیرت سے حاصل ہوتا ہے۔

حکمت، وہ قلبی قوت ہے، جس سے انسان ہر شئے کی اصل حقیقت معلوم کر لیتا ہے۔ مثلاً انسان کو تجربے سے معلوم ہوا کہ مال سے انسان کی ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس لیے اس کے کمانے اور جمع کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اور ہر ایک چاہتا ہے کہ میں اس کو سب سے زیادہ اپنے قبضے میں کروں اور سب سے بڑھ کر رہوں۔ لیکن جس کو حکمت حاصل ہے، وہ دیکھتا ہے کہ مال خود کسی کام کی چیز نہیں ہے۔ مال تو فقط ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے اس کی اپنی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور اس کے جمع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جو آدمی دنیا کی چیزوں سے پرہیز کرے گا، اسے حکمت حاصل ہو جائے گی۔ اور اسے ہر چیز اپنے اصلی رنگ میں نظر آنے لگے گی۔ دنیا کے سارے عیب اسے معلوم ہو جائیں گے۔ وہ سمجھ لے گا کہ دنیا کی خوب صورتی محض بناوٹی ہے، ورنہ اصل میں دنیا ایک عیب دار بدصورت چیز ہے۔ اس میں ایک یہ چالاکی ہے کہ یہ دھوکہ دے کر آدمی کا دل لُبھا لیتی ہے۔ اور پھر اس کو اس کے عیب نظر نہیں آتے۔ دنیا کی محبت! یہ ایک قسم کی بیماری ہے، جو اُسے لگ جاتی ہے۔ یعنی وہ اس کے ظاہری بناؤ سنگھار ہی کو دیکھتا ہے۔ اور اُس پر لٹو ہو جاتا ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ ایک بڑی مکروہ اور بدصورت چیز ہے۔ اس کی دوا یہ ہے کہ وہ پہلے کوشش کر کے دنیا سے دل ہٹائے اور پھر عادت کے طور پر اِسے اپنائے۔ جب اسے دنیا سے نفرت کرنے کی عادت ہو جائے گی تو اس کی سمجھ تیز اور گہری ہوگی۔ اور اصل حقیقت اس کے سامنے آجائے گی۔ اسی سمجھ کی تیزی کا نام ''حکمت'' ہے۔ اور یہ فقط دنیا کی چیزوں اور اس کی دلچسپیوں سے دل ہٹا لینے سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں دنیا اصلی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اور سب دیکھیں گے کہ ایک بدصورت بڑھیا ہے، جس کے بال سفید، کھال لٹکی ہوئی، کمر جھکی ہوئی، بدوضع ڈیل ڈول ہوگی۔ اور وہ سر نیچے ڈالے ہوئے ہوگی۔ اس وقت سب اس سے نفرت کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ سے بھی نفرت کریں گے کہ ساری عمر اس کبڑی بدشکل بڑھیا پر لٹو بنے رہے۔

rahimia.org

اداریہ

نئے بجٹ کی آمد اور مہنگائی کا بڑھتا ہوا سیلاب!

نئے بجٹ کی آمد سے قبل ہی ہمارے حکمرانوں کی ناقص معاشی پالیسیوں کے سبب مہنگائی کا سیلاب دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ جو تمام انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ ملک میں اشیائے ضروریہ کی قیمتیں اس تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہیں کہ عام آدمی اپنی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہوتا جا رہا ہے۔ بازار میں جائیں تو اشیائے ضروریہ کی قیمتیں روزانہ کے حساب سے بڑھتی ہوئی آسمان پر پہنچ رہی ہیں۔ گزشتہ سال اگرچہ کہنے کو ایک بجٹ پیش کیا گیا تھا، اسے عوام کی منتخب پارلیمنٹ سے منظور بھی کرایا گیا تھا، لیکن سال کے دوران اتنے غیر منظور شدہ منی بجٹ لائے گئے کہ جس سے پورے ملک کی اقتصادیات کا ڈھانچہ متزلزل ہو کر رہ گیا ہے۔ معاشی سرگرمیاں رُک کر رہ گئی ہیں۔ اقتصادی بدحالی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس سے عام آدمی کے لیے معاشی مشکلات بڑھ رہی ہیں۔ نئے بجٹ سے مزید مشکلات بڑھیں گی۔

مہنگائی کا بڑا گہرا تعلق ان اقتصادی اور معاشی پالیسیوں سے ہے، جو عوام کے مفادات کے بجائے عالمی سامراجی ممالک کے مفادات کو پورا کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ اور پھر ان مفادات کے حصول کے لیے قرضوں کا بوجھ ملک اور قوم پر لادا جاتا ہے۔ ہماری لڑکھڑاتی ہوئی معاشی حالت میں ملکی محاصل اور رَواں حساب میں تواتر کے ساتھ خسارے، شرحِ تبادلۂ زر میں تیزی سے تخفیف اور ناقابلِ برداشت قرضوں کے بوجھ کا بڑا دخل ہے۔ جس کے باعث ہمارا ملک آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ایشین ڈویلپمنٹ بینک، اسلامک ڈویلپمنٹ بینک اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والے بیرونی معاشی قرضوں کا دست نگر ہو چکا ہے۔ اور اسی لیے ملک قومی تحفظ کے حوالے سے بیرونی ممالک کے ساتھ معاشی سمجھوتے کرنے پر مجبور ہے۔ حال ہی میں فنانس کے مشیر عبدالحفیظ نے کہا ہے کہ ملک پر بیرونی ممالک کا قرضہ 2010ء، 2011ء کے آخر تک 60 بلین ڈالر ہو جائے گا۔ اور ملک کے اندرونی قرضہ جات 4.14 بلین ڈالر سے بڑھ کر 4.57 بلین ڈالر ہو جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ آئندہ تین سالوں میں بیرونی قرضہ برابر بڑھتا رہے گا۔ اور سال 2011ء، 2012ء تک 62 بلین ڈالر ہو جائے گا۔

مستند رپورٹس کے مطابق اس وقت ملک کی 24% آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور 40% لوگ وہ ہیں، جن کی آمدنی صرف -/100 روپے روزانہ ہے۔ بے روزگاری کی شرح 7% ہے۔ ایک طرف غربت بڑھ رہی ہے اور ساتھ ہی ملک میں مہنگائی اور بے روزگاری میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔ ملک کی غالب اکثریت بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے۔ جب کہ ملک میں عوام کی ترجمانی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہمارے حکمران طبقات کروڑوں اربوں روپے کی جاگیروں، صنعتوں اور اثاثوں کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ جوان کے پیش کردہ گوشواروں سے واضح ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام کے نام نہاد نمائندے بھی اس سرمایہ دارانہ کلچر کی مزاحمت کرنے کے بجائے اس کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ چناں چہ عام طور پر مذہبی جماعتوں کی لیڈر شپ بھی اسی سامراجی نظام میں بینکوں اور دیگر مالیاتی اثاثہ جات کی حامل بنتی جا رہی ہے۔ ان کے اثاثہ جات ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتے جا رہے ہیں۔

ایک طرف یہ حالت ہے کہ ملک مقروض ہوتا جا رہا ہے۔ اور عوام غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اور بے روزگاری اور مہنگائی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسری طرف سابق مشیر خزانہ شوکت ترین نے بتایا کہ: ''گزشتہ پانچ سالوں میں 142 ارب 70 کروڑ روپے کے بھاری مالیت کے قرضے معاف کر دیے گئے ہیں۔'' پچھلے 39 سالوں میں ملک کے حکمران طبقوں نے اربوں اور کھربوں روپے کے قرضے معاف کرائے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس عرصے میں مختلف سیاست دانوں، سابق جرنیلوں اور مقتدر حکمران طبقوں نے ملک و قوم کا لوٹا ہوا مال اور سرمایہ ملک سے باہر مختلف بینکوں میں پہنچا دیا۔ اور اس دولت کو دوسرے ممالک میں تجارت میں لگایا گیا۔ ان بھاری رقوم میں ملکی بینکوں سے معاف کرایا ہوا سرمایہ بھی شامل ہے۔

اسی کے ساتھ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں گزشتہ تین سالوں میں کرپشن میں تقریباً چالیس گنا اضافہ ہوا ہے۔ ایک تجزیے کے مطابق 2006ء میں پینتالیس ارب روپے کرپشن کی نظر ہوئے۔ جب کہ 2009ء میں یہ رقم بڑھ کر ایک سو پچانوے ارب روپے تک پہنچ گئی۔ کرپشن کی وجہ سے ٹیکس کی چوری عام ہے۔ جس سے سالانہ تقریباً 500 سے 600 ارب روپے کا ٹیکس قومی خزانے میں جمع نہیں ہوتا۔ اس کرپشن میں سربراہانِ مملکت، وزرا، صوبائی وزرائے اعلیٰ اور حکومتی اداروں کے اعلیٰ عہدے داران، نیز نجی شعبوں کے ذخیرہ اندوز اور بزنس مین سب ہی شامل ہیں۔

جمہوریت کے دور میں عوام بڑی چاہت اور کوشش سے اپنے لیے حکمران منتخب کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں حکمران اداروں کی کارکردگی کا یہ عالم ہے کہ نہ تو ان کے سامنے کوئی اقتصادی وِژن ہے اور نہ ہی کوئی ایسی اقتصادی و معاشی پالیسی ہے، جس سے عوام کے مسائل حل ہوں۔ ان کی عزتِ نفس بحال ہو۔ اور معاشی مسائل سے چھٹکارا ملے۔ دراصل اس نظام کا مقصد عوام کو ایسے سیاسی اور معاشی مسائل میں الجھا کر رکھنا ہے تاکہ عوام اس معاشی گرداب کے سرکل سے باہر نہ نکل سکیں۔ اور اپنے سیاسی حقوق اور آزادی کے حوالے سے کسی طرح کی شعوری پالیسی بنانے کے بارے میں اپنی آزادانہ رائے نہ دے سکیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کا یہی المیہ ہے کہ وہ انسانی معاشروں کو منفی رُخ پر لے جا کر اپنے مفادات پورے کرتا ہے۔ اس کے جبر و استحصال کا یہ پُرانا وطیرہ ہے کہ وہ ملکوں اور قوموں کو سیاسی و اقتصادی حوالے سے غلام بناتا ہے۔ اور اپنی مرضی کے فیصلے ان پر مسلط کرتا ہے۔ یہ سرمایہ داری نظام کے ظلم و جبر اور استحصال کا نتیجہ ہے کہ ایسی معاشی اور اقتصادی پالیسی بنائی جاتی ہے، جو عام آدمی سے دو وقت کی روٹی چھین لے۔ اسے اپنی روزمرہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑے۔ پھر بھی اس کی کفالت کا صحیح نظم و نسق نہ ہو سکے۔

ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ دین اسلام کی انقلابی تعلیمات کا شعور حاصل کیا جائے۔ اور دین کی روشنی میں معاشی مشکلات پیدا کرنے والے نظام کے خلاف مزاحمتی شعور دیا جائے۔ اور اس سرمایہ دارانہ کلچر اور سسٹم کے خلاف واضح مزاحمتی نظریہ رکھ کر عام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کی جائے۔ اور مہنگائی سے پسے ہوئے عوام کی حالتِ زار کو بدلنے کی فکر کی جائے۔ غربت کی چکی میں پسنے والے انسانوں کے مسائل حل کرنے سے ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ممکن ہو گی۔ دین اسلام کا روشن راستہ ہی ہمارے مسائل کے حل کرنے کی بنیاد بننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پختہ عزم اور ارادے کے ساتھ دینی تعلیمات کی اساس پر سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کا شعور و فکر رکھنے، اور اُن تعلیمات کے مطابق صحیح خطوط پر جدوجہد اور کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(مدیرِ اعلیٰ)

rahimia.org

خطبۂ جمعۃ المبارک

دین اسلام میں حقوقِ انسانی کی اہمیت

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 07 جنوری 2011ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: محمد خرم شہزاد

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (9:63) صدق اللہ العظیم.

معزز دوستو! مسلمان ایک ایسی بہترین جماعت ہے، جو اپنے معاشرے کے اندر سچائی کی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد انسانیت کو اللہ سے جوڑنا اور انسانیت کی خدمت کا اعلیٰ نظام قائم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق انسانی دل و دماغ میں راسخ کر دینا، اس کی محبت اور عظمت کا دلوں میں اُجاگر کرنا، یہ انسانیت کی کامیابی کی دلیل ہے۔ انسانی معاشروں کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک، اللہ کے ساتھ محبت، عشق اور چاہت کا تعلق قائم کرے۔ اور اللہ سے اس تعلق کے نتیجے میں اس کے دل میں انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا جذبہ بیدار ہو۔

اللہ تعالیٰ کو انسان بہت محبوب ہے۔ باقی تمام مخلوقات میں سے اس مخلوق کو اللہ نے افضل اور اعلیٰ بنایا ہے۔ انسانیت کا احترام، اس کے حقوق، اس کی محنت اور جدوجہد کا احترام، اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے۔ اس لیے نبیؐ نے جو جماعتِ صحابہؓ تیار کی، اس کے پیشِ نظر دنیا میں ایک ایسا نظام قائم کرنا تھا کہ جس کے اثرات اور نتائج بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانیت تک پہنچیں۔ کوئی انسان اس سے محروم نہ رہے۔ انسانیت کی مجموعی ترقی و فلاح و بہبود کے لیے یہ جماعت کردار ادا کرے۔ اسی لیے نبیؐ نے اپنی ہدایات میں جابجا اس بات کو پیشِ نظر رکھا کہ مسلمان جماعت جہاں بھی جائے، وہ انسانیت کی نمائندگی کرے۔ اور انسانیت دشمن عناصر کا مقابلہ کرے۔ حضورؐ نے اپنے زمانے میں جتنے بھی سرایا اور غزوات کیے ہیں۔ ان تمام میں واضح ہدایات دی ہیں کہ صرف وہ لوگ، جو انسانیت میں عدل و انصاف کے راستے میں رُکاوٹ بنیں، ان سے ہی لڑائی لڑنی ہے۔ اور انھیں راستے سے ہٹانا ہے۔ لیکن خبردار! اگر تم کسی بستی پر اپنا اقدام کرو تو وہاں کی عورتیں، بچے، بوڑھے اور ایسے لوگوں کو قتل مت کرو، جو اپنے عبادت خانے میں عبادت میں مشغول ہیں، خواہ وہ جوان ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ لوگ، جو پُرامن طریقے سے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں، ان کے قتل سے بھی بچو۔ ان کو تو دراصل ظالم معاشرے اور نظام سے نجات دلانی ہے۔ نہ یہ کہ چوں کہ وہ کلمہ نہیں پڑھتے تو ان کو قتل کر دو۔

جب نبیؐ کی طرف سے واضح ہدایت دے دی گئی کہ تین آدمیوں کے علاوہ کسی کا قتل جائز نہیں اور وہ بھی ملکی سسٹم اور عدالتی نظام کے ذریعے فیصلہ کیا جائے گا۔ نہ یہ کہ انفرادی طور پر کوئی فرد فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ اوّل ایسے کافر حربی کے ساتھ لڑائی کرنا اور اُسے قتل کرنا جائز ہے، جس کے خلاف جہاد کرنے کا حکومت فیصلہ کرے کہ یہ دشمن ملک ہے۔ یہ طے کیا جائے کہ یہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اور ایسی سامراجی اور طاغوتی قوت ہے کہ انسانیت کو یرغمال بنانے اور اس کے حقوق کو پامال کرنے میں تمام حدود پھلانگ چکا ہے تو اس کا قتل جائز ہے۔ خود حضورؐ نے کعب ابن اشرف (یہودیوں کے سردار) کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ آپؐ کو مدینے میں سب سے زیادہ ایذا ابوجہل کے بعد کعب ابن اشرف نے دی۔ نہ صرف یہ، بلکہ مدینے کے سسٹم کے خلاف بغاوت کا زہر اس میں بھرا ہوا تھا۔ اور مدینے کی ہر سازش کے پیچھے اس کا ہاتھ تھا۔ غزوۂ احد میں 70 صحابہؓ شہید ہوئے۔ وہاں بھی مکے کے ان ظالموں کو یہ مشورے دیتا رہا۔ غزوۂ خندق پر جب متحدہ محاذ اکٹھا ہوا اَور اس نے مدینے پر یلغار کی، اس پوری طاقت کو منظّم کرنے میں بھی اس کا سازشی کردار تھا۔ اور جب مدینے سے حضورؐ نے تمام یہودیوں کو ان کی سیاسی بداعمالیوں اور معاہدات توڑنے کی وجہ سے جلاوطن کر دیا، تو یہ خیبر کے راستے میں ایک قلعہ تھا، اس میں اس نے اپنا مرکز بنالیا۔ اور وہاں بیٹھ کر یہ سازشی تانے بانے بنتا رہتا تھا۔ تو حضورؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں اعلان کیا کہ کون ہے، جو کعب ابن اشرف کی گردن اُتار کر لائے؟ محمد ابن مسلمہؓ اُٹھے اور کہا کہ: میں! تفصیلی واقعہ احادیث میں آتا ہے کہ وہ گئے اور بہت منفرد طریقے سے اِسے گرفت میں لائے۔ اور اس کو قتل کر کے اس کی گردن لے کر حضورؐ کے پاس آئے۔ ایک تو وہ ہے، جو انسانیت دشمنی میں اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ تمام انسانی حدود کو پھلانگ کر انسانیت کے لیے کینسر کی شکل اختیار کر جائے۔ اس کے قتل کا حکم حضورؐ نے خود ارشاد فرمایا۔

دوسرا وہ آدمی، جس نے کسی دوسرے انسان کو قتل کیا ہو تو قصاص کے طور پر اس کو قتل کیا جائے گا۔ لیکن یہ اختیار بھی ہر انسان کو نہیں کہ چوں کہ اس نے فلاں کو قتل کیا ہے، لہٰذا اس کو قتل کر دو۔ اس کے لیے باقاعدہ ایک عدالتی طریقہ کار طے کر دیا گیا۔ عدالتی نظام کے مطابق شہادتوں اور گواہوں کے ذریعے یہ طے ہو جائے کہ یہ مجرم ہے۔ جو بھی قاتل ثابت ہو، اس کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے۔ مساواتِ انسانی کا یہ لازمی اور بنیادی تقاضا ہے۔

تیسرا وہ انسان کہ جو مسلمان جماعت کا حصہ تھا۔ اس جماعت کے راز اس کے سینے میں محفوظ ہیں۔ مسلمانوں کی حکمتِ عملی کیا ہے؟ اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ وہ اس کے علم میں ہے۔ اور اس کے بعد وہ اس پورے نظام سے بغاوت کرتا ہے۔ اِرتداد کرتا ہے۔ یہ اِرتداد محض عقیدے یا فرقے کا ہی نہیں، بلکہ مکمل دین اور اس کے سسٹم سے اِرتداد ہے۔ ایسا ارتداد دنیا کی کسی بھی سیاسی پارٹی میں کیا جائے تو اس کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں۔ دنیا کی کون سی سرمایہ دار یا کمیونسٹ پارٹی ہے کہ جس فرد کے پاس پارٹی کے راز ہوں، وہ انقلابی جماعت کا حصہ ہو۔ اور پھر بغاوت کرے تو اس کو دنیا کی کون سی سیاسی طاقت ہے، جو زندہ چھوڑتی ہے۔ اس سے تو پورے کے پورے سسٹم کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی عدالتی پروسیجر ضروری ہے اور اس کے لیے بھی ایک طریقۂ کار طے کیا گیا ہے۔ مسلسل اس سے بات چیت، ڈائیلاگ، گفتگو، سمجھنے سمجھانے کا عمل، اس کے ذہن میں کلبلانے والے سوالات کے جوابات دینا، مسلمان جماعت کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ اس کو ہر طریقے سے سمجھائے۔ اور اس کے باوجود اس کی بدطینتی، بدکرداری اور دوسری شیطانی جماعت کے ساتھ اس کے تعلقات اور روابط ثابت ہو جائیں تو پھر اس کے لیے اس عدالتی پروسیجر کے ذریعے سے قتل کی سزا کا حکم ہے۔

آپؐ نے فرمایا: خبردار! ان تین طریقۂ کار کے علاوہ کسی کا قتل جائز نہیں۔ نبیؐ نے واضح طور پر پابندی لگا دی۔ تمام فقہا کا اجماعِ امت اس پر طے ہو گیا کہ انسانیت کے احترام کی بنیاد پر انسانی معاشرہ ہو گا۔ سیاسی نظام انسانی بنیادوں پر ہو گا۔ اقتصادی نظام انسانی بنیادوں پر ہو گا۔ ورنہ آپ دیکھئے کہ ہر دور میں بہت سے مختلف خیالات رکھنے والی جماعتیں رہی ہیں۔ سسٹم کے اندر رہتے ہوئے خیالات، تصورات، آرا بھی معاشرے کی زندگی کی علامت ہیں۔ جہاں ایک رائے کا جبر مسلط کر دیا جائے، وہ معاشرہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ خود نبیؐ نے فرمایا: "اختلاف اُمّتی رحمۃ" میری امت میں اختلاف کا موجود ہونا، اس کے لیے رحمت ہے۔ آسانی کی بات ہے۔ کیوں کہ اختلافِ رائے سے معاملات کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ مختلف افکار

وخیالات اور تصورات سامنے آتے ہیں۔ ایک کام سرانجام دینا ہے، اس کی انجام دہی کے لیے قانون سازی کیسے ہونی چاہیے؟ طریقۂ کار کیا ہونا چاہیے؟ عملی اقدامات کیسے کیے جانے چاہئیں؟ تو ان تمام امور کے حوالے سے جتنی زیادہ آرا سامنے آئیں گی، اتنا ہی بہترین قانون، اتنی ہی بہترین حکمتِ عملی اور طریقۂ کار وجود میں آئے گا۔ صوابدیدی اختیارات کا استعمال یا ایک مخصوص جماعت اور فرد کے ایسے بالادستی پر مبنی اختیارات کہ جس سے باقی تمام اختیارات سلب کر لیے جائیں، اس کا کوئی تصور دین اسلام میں نہیں۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ حکم دیا گیا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (159:3) معاملات چلانے کے لیے صحابہؓ سے مشورہ کیجیے۔ اور فقہا، مفسرین نے لکھا ہے کہ غیر منصوص معاملات میں حضورؐ پر بھی صحابہؓ سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ غزوۂ اُحد کے موقعے پر صحابہؓ میں اختلاف تھا کہ یہ جنگ کیسے لڑی جائے؟ خود حضورؐ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر جنگ کی جائے، نہ کہ باہر نکل کر۔ حتیٰ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ، آٹھ دس جلیل القدر صحابہؓ کی رائے بھی یہی تھی۔ کہ مدینہ میں رہ کر جنگ لڑی جائے۔ لیکن جماعت کے نوجوان، گرم خون والے صحابہؓ نے کہا کہ آج یہ ہمارے شہر پر حملہ آور ہوئے ہیں، ان سے اقدامی جنگ لڑنی ہے۔ تو حضورؐ نے فیصلہ اس کے مطابق کیا ہے۔ تو دیکھئے کہ اجتماعیت پر مبنی معاشرے میں آرا کے اختلاف کا ہونا، اس معاشرے کا حسن ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ اختلاف کا مقصد گروہیت کو ابھارنا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ انتشار پیدا کرنا نہیں، بلکہ ان اختلافات کی بنیاد پر جو آرا آئیں، ان کو sum-up کر کے کسی نتیجے تک پہنچنا، اور اس کے نتیجے میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا باقاعدہ قانون، ضابطہ، طریقۂ کار اور حکمتِ عملی طے کرنا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو انسان بہت محبوب ہے۔ باقی تمام مخلوقات میں سے اپنی اس مخلوق کو اللہ نے افضل اور اعلیٰ بنایا ہے۔ انسانیت کا احترام، اس کے حقوق، اس کی محنت اور جدوجہد کا احترام، اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے۔

ہمارا معاشرہ پچھلے اڑھائی سو سال سے غلامی کا شکار ہے۔ انگریز سامراج کے تسلط نے جو رویے ہمارے معاشرے میں پیدا کر دیے، وہ انسانی بنیادوں پر مسائل حل کرنے، قانون بنانے، طریقۂ کار وضع کرنے کے نہیں، بلکہ اس میں انتشار پیدا کرنے، جذباتیت کو اُبھارنے، انسانیت دشمن رویوں کو فروغ دینے کے ہیں۔ غلامی کے بندھنوں سے آزاد معاشروں میں جب کوئی انسانی مسئلہ سامنے آتا ہے، اس کو انسانی بنیادوں پر حل کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ مختلف آرا کو sum-up کر کے ایک نتیجے تک پہنچنے کا عمل کیا جاتا ہے اور قانون بنایا جاتا ہے۔ اس قانون کے دائرے میں رہ کر عمل درآمد کی حکمتِ عملی طے کی جاتی ہے۔ اس کے بجائے اگر مسئلے کو حل کیے بغیر طاقت کے بل بوتے پر حل کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے کہ جو جماعت اور گروہ اٹھے، وہ اپنی من مانی کرنی شروع کر دے، یہ چیز غلط ہے۔ devide & rule کی جو سیاست اس برعظیم پاک و ہند میں انگریز سامراج نے اپنائی اور دو سو سال تک جاری رکھی، اور اس کے نتیجے میں ہندوؤں کو ابھار دیا کہ تم مسلمانوں کے خلاف فلاں فلاں کام کرو۔ اور مسلمانوں کو ابھار دیا کہ ان کی مورتیوں کو بُرا بھلا کہو۔ بس اسی پر لڑائی اور انتشار پیدا کر دیا۔ یہ تمام باتیں غلامانہ ذہنیت کی عکاس ہیں اور درست نہیں ہیں۔

بھئی! ایک مقدس شخصیت کسی بھی جماعت کی ہے، قرآن نے واضح کر دیا کہ اسے گالی مت دو: ’’وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ‘‘ (108:6) اللہ کے مقابلے پر لات اور منات بت تھے، ان کو گالی مت دو۔ کیوں کہ اگر تم ان کے پتھر کے بتوں کو گالی دو گے تو وہ تمہارے سچے خدا کو گالی دیں گے۔ گالی دینے سے، توہین کرنے سے، بُرا بھلا کہنے سے کیا مسائل حل ہو جاتے ہیں؟ نہیں! برصغیر میں کثیر المذاہب لوگ بستے ہیں۔ اور ہر مذہب نے اپنے لیے کچھ بنیادی چیزیں طے کی ہوئی ہیں۔ یہ قانون تو قدیم زمانے سے مسلمانوں کے ہاں رائج رہا۔ اکبر اعظم سے لے کر اورنگ زیب عالم گیر اور بہادر شاہ ظفر تک۔ بلکہ اس سے بھی پہلے محمد بن قاسم سے لے کر بابر تک۔ چناں چہ اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو جو وصیت کی تھی، اس میں واضح طور پر یہ طے کر دیا تھا کہ کسی بھی مذہب کو بُرا بھلا نہیں کہنا۔ مذاہب کا احترام، ان کی شخصیات کا احترام، تمہارے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ یہ دین کا بنیادی اصول ہے۔ آپ دیکھئے کہ جو طے شدہ اصول تھا، اس کو توڑا گیا۔ اور باقاعدہ حکومتی سرپرستی میں غلامی کے زمانے میں دو سو سال تک ہمارے دماغوں میں نفرت انڈیلی گئی۔ جذباتیت کا عنصر پیدا کیا گیا۔ اور مذہب کے نام پر انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا معمول بن گیا۔ دیوانگی کی بنیاد پر، جذباتی حوالے سے، انتشار پیدا کر کے خود ہی عدالت لگانا، خود ہی احکامات جاری کرنا، اور خود ہی قتل و غارت گری کا اِرتکاب کرنا، عجیب تماشا ہے۔ کیا 1857ء میں آزادی کی پاداش میں یہاں لاکھوں انسانوں کا قتل نہیں کیا گیا؟ کس قانون اور ضابطے کے تحت؟ کیا آزادی کی پاداش میں جلیانوالا باغ امرتسر میں مسلمان، ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام نہیں کیا گیا؟ اور اس کے بعد جب یہ دیکھا کہ ہندوستان کی یہ تمام اقوام متحد ہو کر آزادی اور حریت کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ تو ان کے درمیان لڑائیاں کروا کے نفرتیں پیدا نہیں کی گئیں؟ پھر مسلمانوں میں سینکڑوں فرقے پیدا کر دیے گئے۔ ہندوؤں میں بہت ساری ذاتیں اور فرقے ہیں۔ ان کے درمیان لڑائیاں پیدا کر دی گئیں۔ یہ فرقہ وارانہ جذبات کو ابھار کر لڑانے کی سازش، یہ غلامی کے سامراجی دور کا تحفہ ہے۔ قانون درست طریقے پر نہ بنانا۔ اور بنے ہوئے قانون کا سامراجی استعمال کرنا اور پھر اپنے زرخرید گروہوں کے ذریعے سے نام نہاد مذہبی ٹھیکے داروں، نام نہاد لبرل دانش وروں کو میدان میں لا کر لڑائی اور انتشار پیدا کر دینا۔ مسائل حل کرنا نہیں، انھیں الجھانا ہے۔ تاکہ لوگ اسی طرح آپس میں اُلجھے رہیں۔ معاشی اور سیاسی زوال کے دور میں اپنے سیاسی، معاشی حقوق سے بیگانہ رہیں۔ ان مسائل پر کوئی بحث نہ کریں۔ قوم مہنگائی میں مبتلا ہو۔ معاشی بھوک کی حالت میں ہو۔ سیاسی بدامنی ہو۔ اور وہ محض جزوی پہلوؤں پر لڑتی رہے۔ یہ اس غلامی کے سسٹم کا بنیادی اصول ہے کہ: ’’تقسیم کرو، لڑاؤ اور اپنی حکمرانی قائم کرو۔‘‘ اس لڑائی اور انتشار کے لیے ماشاء اللہ مولوی بھی میدان میں، وکیل بھی میدان میں، جج بھی میدان میں، سیاست بھی بکتی ہے، مدرسوں اور خانقاہوں کے نام بھی بکتے ہیں۔ سارا کام چلتا رہا۔ گروپس پیدا کر دیے گئے۔ جو صرف لڑتے ہیں، مسئلے کے حل کے لیے کردار ادا نہیں کرتے۔

بڑی بدقسمتی ہے کہ پچھلے ساٹھ سال سے وہی رویہ پاکستان میں قائم اس غلامانہ نظام میں بھی اپنایا گیا۔ جو برطانوی سامراج نے دو سو سال تک رکھا۔ یہاں کے جاگیردار، سرمایہ دار، یہاں کے وڈیرے، یہاں کے رجعت پسند مذہبی طبقات، یہاں کے نام نہاد لبرل دانش وروں نے انتشار پیدا کرنے کے لیے کردار ادا کیا ہے، مسائل کو حل کرنے، بنیادی قانون طے کرنے، اس کے procegure اور طریقۂ کار کو طے کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے۔

(بقیہ خطبہ جمعہ صفحہ 07 پر)

rahimia.org

نوجوانوں کو دینی انقلاب کے نظریے کا شعور دیجیے!

خطاب حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

(حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مؤرخہ 26 مارچ 2011ء بروز ہفتہ کومنچن آباد کے دورے پر تشریف لے گئے۔ اس موقعے پر آپ نے ''گریس کالج'' منچن آباد کا افتتاح اپنے دستِ مبارک سے فرمایا۔ اس موقعے پر آپ نے درجِ ذیل خطاب فرمایا:) مرتّب: مولوی سعد احمد خان

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم. اما بعد! قال اللّٰہ تبارک و تعالٰی:

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ'' (60:8)

میرے دوستو! یہ دین کا انقلاب، عدل کا انقلاب ہے۔ کسی مذہب، نظریہ، جغرافیہ کی تفریق کے بغیر پوری انسانیت کے لیے ہے۔ کسی قسم کی تفریق کے بغیر سب مظلوم انسانوں کو ظلم سے نجات دلانا۔ ان کی مدد کرنا، ان کو آزاد کرانا، ان کے معاشی مسائل حل کرنا، ان کے مسائل حل کرنا، یہ دین پوری انسانیت کے لیے ہے۔ یہ دینِ انقلاب ہے۔ میرے دوستو! اس کے لیے قرآن نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ایسی تیاری کرو جس سے قوت پیدا ہو۔ اور جس سے دشمن ظالم طاقتیں اس سے مرعوب ہونے لگیں۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تمہاری تنظیم، تمہارے شعور، تمہاری سیاسی حکمتِ عملی سے دشمن خوف زدہ ہو جائے، بچ بچاؤ کا راستہ نہیں ہے۔ میرے دوستو! آج آپ کو معلوم ہے کہ سیاسی قوت کا رعب پیدا ہوتا ہے۔ سامراجی دشمن طاقت اُس کو طاقت تسلیم کرتی ہے، جو سیاسی شعور رکھتا ہو۔ اگر سیاسی شعور نہیں رکھتا تو ظالم قوت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، بلکہ دشمن اس کو استعمال کر لیتا ہے۔

میرے دوستو! آپ اندازہ لگایئے کہ اُن علما کے بارے میں جن کو اللہ تعالیٰ نے سیاسی شعور دیا اور انھوں نے سیاسی جدوجہد کی۔ اس کا رعب اور ڈر انگریز پر پیدا ہو جاتا تھا۔ حال آں کہ ان کی کوئی اکثریت نہیں تھی۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نومسلم ہیں۔ شیخ الہندؒ کے تربیت یافتہ شاگرد ہیں۔ بزرگوں کی صحبت میں رہے ہیں۔ ان کا سیاسی شعور بہت اونچا تھا۔ 25 سال جلاوطن رہے۔ جس وقت وائسرائے سے ملک کی آزادی کی باتیں ہو رہی تھیں، تو آزادی پرست جماعتوں نے مطالبہ کیا کہ جب آپ آزادی کی باتیں کر رہے ہیں تو ہمارا ایک آدمی 25 سال سے باہر ہے، آپ اس کو واپس لائیں۔ وائسرائے نے یہ کہا کہ: ''میری ہمت نہیں ہے کہ میں انھیں اجازت دے دوں۔ وہ پورے انگلستان کا دشمن ہے۔'' انگریز ایک آدمی سے ڈر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ: میں برطانوی حکومت سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں کہ جب ہم آزادی کی باتیں کر رہے ہیں تو ان کا مطالبہ ہے کہ مولانا سندھی کو یہاں بلائیں۔ بڑے غور و فکر کے بعد ان کو یہاں آنے کی مشروط اجازت دی۔ ایک شخص کا اتنا بڑا خوف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا سیاسی شعور بلند ہے۔ اس لیے پورا انگلستان ڈر رہا ہے۔ شیخ الہندؒ ایک عالم ہیں۔ درویش آدمی ہیں۔ فرش پر بیٹھنے والے ہیں۔ لیکن ان کا حکومت پر کتنا بڑا رُعب ہے۔

بات اصل میں یہی ہے کہ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ انگریز کی کامیابی یہ ہوئی کہ اس نے ہمارے اندر ایسے علما پیدا ہونے سے روک دیے، جن میں سیاسی شعور تھا، جو بکتے نہیں تھے، جھکتے نہیں تھے، ڈرتے نہیں تھے، ان کا خوف تھا۔ اسلام کثرت پر نگاہ نہیں رکھتا۔ وہ تو مضبوط کریکٹر والی باشعور جماعت پیدا کرتا ہے۔ جو انسانی مسائل حل کرنے کا شعور رکھے، انگریز ایسی جماعت سے خائف ہوتا ہے۔ ایسی سیاسی پارٹی سے ڈرتا ہے، جس کا مخلص کارکن نہ جھکے، نہ بکے۔ جو جماعت سچی، نظریاتی اور ظلم مٹانے والی ہوتی ہے، اس کا ڈر ان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (2:59) جو سچی جماعت ہے، ہم اس کا رُعب دشمن کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ آج ہم نیکی کا کام بہت کر رہے ہیں۔ ثواب کا کام بہت کر رہے ہیں۔ علم بھی پڑھاتے ہیں، تبلیغ بھی کرتے ہیں، مدرسے بھی ہیں، خانقاہیں بھی ہیں، لیکن ان میں دین کے انقلاب کی تربیت نہیں ہے۔ کمزوری اور بزدلی ہے، مسکینیت ہے۔ اس لیے آج آپ کو پتہ ہے کہ ایسے مذہبی اداروں سے دشمن خائف نہیں ہوتا۔

آج طاقت کن لوگوں میں ہے؟ نوجوان طبقے میں ہے۔ یہ تمام انبیا کی سنتوں میں سے ہے کہ جب ان کی پہلی جماعت بنتی ہے، تو نوجوانوں کی بنتی ہے۔ اور نوجوانوں کے ذریعے سے وہ انقلاب لاتے ہیں۔ اور ان کے بڑے بزرگ ان کے بعد اسلام لاتے ہیں۔ آج ہمارا نظریہ کثرت کا ہو گیا۔ آج ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے جلسوں میں لوگوں کی بڑی تعداد ہو، بڑے بڑے جلوس ہوں۔ میرے دوستو! یہ ہم نہیں سوچتے کہ یہ تو ساری ریٹائرڈ طاقت ہے، جو کوئی جرأت کا فیصلہ نہیں کرتے، دعا کا فیصلہ کر لیں گے کہ دعا کر لو۔ آج ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری مساجد، جو دین کا مرکز ہیں، وہ نوجوانوں سے خالی ہیں۔ سمجھے! اب وہاں جو طاقت ہے۔ اس سے آپ کوئی بات بھی کہیں، کتنے جوش و خروش سے کہیں، وہ یہ کہیں گے کہ: ''اللہ میاں کر دے۔'' ہمارے حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے: ''جب میں جلسہ کرتا ہوں یا تقریر کرتا ہوں تو لاکھوں کا جمگھٹا ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جلسے میں میری بڑی طاقت ہے۔ جب صبح کو ووٹ لینے کا وقت آتا ہے تو سارے غائب ہوتے ہیں۔ میں اکیلا کھڑا ہوا ہوتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں قبرستان میں تقریر کر رہا ہوں۔''

میرے دوستو! آج ہماری بڑی کمزوری یہ ہے کہ اپنے نوجوانوں کو، جن پر نظام کے اثرات تھے، اپنے سے دور کر دیا۔ اس طرح نظام کے اثرات تو آنے ہیں۔ اب ہمارا تعلق نوجوانوں سے ایک فی صد بھی نہیں رہا۔ جو ان کے بڑوں سے تعلق ہے بھی تو ان میں سے پانچ فی صد مسجد میں آتے ہیں۔ پچانوے فی صد طاقت ہم سے کٹ گئی۔ اب ضرورت یہ ہے کہ اس بات کو سمجھیں کہ انگریزوں کی اور سامراج کی حکمتِ عملی اور اس کی تعلیم و تربیت سے جو نوجوان ہم سے کٹ گئے ہیں، اور انھیں ہم پر اعتماد نہیں رہا ہے، ان کو واپس لائیں۔ ان سے صلح کریں۔ ان میں آزادی کا جذبہ پیدا کریں۔ ان کی ظاہری تہذیب اور کلچر کو نہ دیکھیں۔ ان کی عام زندگی پر اعتراض نہ کریں۔ ان میں آزادی کا جذبہ بیدار کریں، غلام بنانے والی سامراجی طاقت سے ان کے اندر نفرت پیدا کریں۔ جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے اور پچانوے فی صد طاقت کو اپنے ساتھ نہیں ملائیں گے، ہمیں کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ یہ بات یاد رکھیے! ہم ان کی ظاہری تہذیب کو دیکھ کر، جو مغرب کے اثرات اس میں موجود ہیں، ہم ان سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ درست بات نہیں ہے۔

میرے دوستو! اس بات کو سمجھو کہ قرآن نے جو کہا ہے: ''قوت پیدا کرو۔'' قوت کس کے پاس ہے؟ وہ نوجوان کی تنظیم کے پاس ہے۔ قوت کس کے پاس ہے؟ جو سیاسی شعور رکھتا ہو۔ سیاست کے راستے سے دشمن کو فیل کر سکتا ہو۔ ان دونوں کی ہمارے ہاں کمی ہے۔ سمجھے! بہادر گنہ گار بھی ہو، تو دشمن پر خوف پیدا کر دیتا ہے اور نیک آدمی ہو اور کمزور ہو، اس کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ دیکھئے کہ جو انبیا کا ظلم مٹانے کی سیاست کا فریضہ تھا، وہ ہم نے چھوڑ دیا۔ وہ دینی تسلسل، جس کے ذریعے سے صحابہؓ نے کامیابی حاصل کی، تابعین نے کی، تبع تابعین نے کامیابی حاصل کی، ایک ہزار سال تک قرآن کے نظام کو، اس کی تعلیمات کو غالب رکھا، ہم اس

سے کٹ گئے۔ سمجھے! اس وقت جب کہ دین غالب تھا، تو تبلیغ کا یہ عالم تھا، کہ جدھر کوئی اللہ کا ولی چلا جاتا یا کسی جگہ جا کر ٹھہر جاتا تو ہزاروں مسلمان ہو جاتے۔ اور آج ہماری تعداد زیادہ ہے اور کسی جگہ ہمارا غلبہ نہیں۔ آج مسلمانوں کو رکاوٹ درپیش ہے۔ آج ان کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ پیر صاحب یا عالم صاحب اپنے بچے کو مغرب کے اثرات اور اس کی تہذیب سے نہیں بچا سکتے۔

ہم تو تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ چشتی اکیلے اس کفرستان میں آئے۔ اور اسلام کا ایک سلسلہ پھیلتا چلا گیا۔ مہاراجہ خائف ہوگیا۔ اور علاقے کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے شکایت کی کہ ایک فقیر آ گیا ہے اور سب کے دل اُس کے ساتھ ہو گئے ہیں، ہماری تو کوئی بات ہی نہیں چلتی۔ اولیاء اللہ ایسے نہیں ہوتے، جو کنارہ کش ہو جائیں۔ اولیاء اللہ تو صحابہؓ کے جانشین ہوتے ہیں، وہ تو ظالم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ سمجھے! چناں چہ مہاراجہ نے دھمکی دی کہ فقیر! میں آ رہا ہوں تو انھوں نے کہا کہ آ جا! دھمکیاں دینے کی کیا ضرورت ہے؟ سمجھے! آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ غوری کو اطلاع دی کہ میں نے راستہ ہموار کر دیا ہے، پہلے تم شکست کھا گئے تھے، اب تم فتح پاؤ گے، آ جاؤ! چناں چہ فتح ہوئی راجہ قتل ہوگیا اور دین کے نظام کا غلبہ ہوگیا۔

میرے دوستو! ہمارا بہت سا وقت گزر گیا ہے۔ ہم غفلت میں رہے، نوجوانوں میں مایوسی پیدا ہوگئی۔ آگے بڑھو! نوجوانوں کا استقبال کرو۔ ان کی مایوسی کو دور کرو۔ اور ان کا حوصلہ بلند کرو۔ مایوس کیوں ہوتے ہو؟ ہم نے غلط سسٹم قبول کر رکھا ہے۔ اس لیے سسٹم تبدیل کرو! اس سے اکثریت کا فائدہ ہے۔

اولیاء اللہ تو یہ کام کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ وہی ہوتے ہیں، جو خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، سمجھے! بات اصل میں یہ ہے کہ اب ہمیں یہ محنت کرنی ہوگی اور نوجوانوں کا ذہن بنانا ہوگا، بزدلی سے نکالنا ہوگا۔ پارٹیوں کی مخالفت سے کچھ نہیں بنتا۔ سسٹم کی تبدیلی بہت ضروری ہے۔ سسٹم کو تبدیل کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔ آپ نے دیکھا کہ عوامی جلوس کے ذریعے سے کبھی ایوب خان کی حکومت بدلی؟ کبھی یحییٰ کی حکومت بدلی؟ کبھی بھٹو کی بدلی؟ یہ چلتے رہتے ہیں۔ لیکن نظام تو وہی رہتا ہے۔ خرابی تو اسی طرح بڑھتی رہتی ہے۔ اس لیے ہمیں سوچنا چاہیے کہ غلامانہ دور کے سارے سسٹم کو تبدیل کرنا ہوگا۔ قومی جذبے والی، ترقی والی، انسانیت دوست جماعت کا کامیاب ہونا بڑا ضروری ہے۔

میرے دوستو! ہمارا بہت سا وقت گزر گیا ہے۔ ہم غفلت میں رہے، نوجوانوں میں مایوسی پیدا ہوگئی۔ آگے بڑھو! نوجوانوں کا استقبال کرو۔ ان کی مایوسی کو دور کرو۔ اور ان کا حوصلہ بلند کرو۔ مایوس کیوں ہوتے ہو؟ ہم نے غلط سسٹم قبول کر رکھا ہے۔ اس لیے سسٹم تبدیل کرو! اس سے اکثریت کا فائدہ ہے۔ قرآن کا نظریہ انسانیت دوستی کا ہے۔ دنیا میں کیسا ہی نظام ہو، ان کے عوام مظلوم ہیں۔ عقیدے کی بنیادوں پر کسی سے ہمارا نفرت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ بات سیاست کے خلاف ہے۔ ہمیں اس بات کی سمجھ ہونی چاہیے کہ ظالم کون ہے، مظلوم کون ہے؟ دنیا کی ساری سیاستوں میں اکثریت مظلوم طبقے کی ہے۔ برطانیہ میں بھی مظلوم ہیں، روس میں بھی مظلوم ہیں، امریکہ میں بھی مظلوم ہیں، اکثریت مظلوموں کی ہے۔ ہمیں مظلوم سے نفرت نہیں ہونی چاہیے، بلکہ مظلوم کے لیے کام کرنا چاہیے۔ چاہے یہودی ہو، عیسائی ہو، چاہے کافر ہو، چاہے مظلوم مشرک ہو، مظلوم طبقے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ: یہ میری مخلوق ہے۔ اور تم میری جماعت ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کو ظلم سے نجات دلاؤ۔ ان کو آزادی دلاؤ۔ ان کے حقوق کی نگرانی کرو۔ مسلمان اور غیر مسلم عدل اور حقوق کے اعتبار سے برابر ہیں۔

ساری دنیا میں سامراجی نظام دوبارہ قائم ہوگیا۔ اس وجہ سے ہوگیا کہ مسلمان سو گیا۔ مسلمان نہ اپنی آزادی کی حفاظت کرتا ہے، نہ دوسرے مظلوموں کو آزادی دلانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ تو یہ دین رحمت کہاں سے ہوا؟ اس لیے ہمیں سوچنا ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز رشتے دار اور قبیلے کے ظالم سرداروں کو راستے سے ہٹا دیا۔ ان سے جنگ لڑی۔ سب کو کلمہ پڑھانا ہم پر فرض نہیں ہے۔ اس کی تو دعوت دینی ہے۔ وہ رغبت سے آتی ہے۔ لیکن ظلم مٹانا فرض ہے۔ سمجھے! اللہ کی یہ ساری مخلوق ہے۔ اللہ ان کو اپنا کنبہ کہتا ہے۔ جو بھی جماعت اللہ کے کنبے کے حقوق کی جنگ لڑے گی، اللہ ان سے راضی ہو جائے گا۔ یہی تمام انبیا کی سیرت ہے۔ یہی صحابہؓ کی سیرت ہے، یہی تابعین اور تبع تابعین کی سیرت ہے۔ یہی علمائے ربانیین کی سیرت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو اپنے اکابرین اور اسلاف کا مطالعہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ وہ منتشر ہونے کے بجائے آپس میں منظّم ہوں۔ اللہ کی مدد تنظیم پر آتی ہے۔ دیکھو! ایک کچا دھاگہ ہوتا ہے، وہ ٹوٹ جائے گا، لیکن دھاگے کی ایک رسّی بنائیں تو مضبوط ہو جائے گی، اور اگر رسا بنا لیں تو اور زیادہ مضبوط گا۔ جب یہ دھاگا رسّی بنانے سے اتنا مضبوط ہو جاتا ہے تو آپ نوجوان ایک منظّم جماعت ہوں تو کتنے مضبوط ہو سکتے ہیں۔ اور ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ دے۔ ہمارے نوجوان بیدار ہوں، مایوس نہ ہوں۔ ہم اپنے ملک کو ان سارے مسائل سے نکالیں اور آزاد قوموں میں شمار ہوں۔ ترقی کریں۔ امن ہو۔ خوش حالی ہو۔ امن ہوگا، خوش حالی ہوگی تو روحانیت بھی ہوگی۔ سمجھے! اگر خوش حالی نہ ہو، مسائل پیدا ہوں، نماز میں اسی کا دھیان آتا رہے، تو نماز کیسے ہوگی؟ نماز درست ہوگی تو روحانیت بھی ترقی کرے گی۔ اس لیے کامل انقلاب دین کا ہے، جس سے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور ہم اپنے نوجوانوں کو اپنی صحبت اور تعلق کے ذریعے مایوسی سے نکالیں۔ ان کو منظّم کریں۔ ان کی عزت بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین!

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ ربّ العالمین.

(بقیہ خطبہ جمعہ) یہ بے چارے زوال کے زمانے کی ان خرابیوں کو تو کیا دور کرتے۔ اگر اس زمانے میں انسانیت کے فائدے کا کوئی بنیادی قانون بن بھی گیا تھا، اس کو مسخ کرنے کے لیے بھی یہ کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طے شدہ **procegure** کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس کو مس ہینڈل کرنا، اس کو بھی جذباتیت کی نذر کر دینا ایڈہاک بیس پر لے کر جانا، اپنے اپنے گروہی، طبقاتی مفادات کے مطابق اسے استعمال میں لانا، یہ ہماری سوسائٹی کا رویہ بن گیا۔

آج سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا معاشرہ، جو فرقہ وارانہ ذہنیت، جذباتیت اور انتشار کی حالت میں ہے، کیا یہ اسی طرح رہنا چاہیے؟ لوگ اسی طرح قتل ہوتے رہیں؟ لوگ اسی طرح مذہبی بنیادوں پر لڑتے رہیں؟ اگر کسی سوسائٹی کا پڑھا لکھا طبقہ اتنا جذباتی ہو کہ وہ **rule of law** کو بنانے، قائم کرنے اور چلانے کی اہلیت کے حوالے سے ناکارہ ہو جائے، اگر ایسا ہو تو اس معاشرے کی تباہی اور بربادی کیسے روکی جا سکتی ہے؟ سسٹم میں موجود طاقتوں اور قوتوں کی بنیادی ذمہ داری تو دلائل، عقل اور شعور کے ساتھ سماجی مسائل کو سمجھنا اور ان کے حل

کرنے کی قانون سازی کرنا ہے۔انسانی اقدار کی حفاظت کرنا ہے۔

نبیؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں جو بنیادی بات ارشاد فرمائی: ألا إنّ دماءَ کم و أموالکم حرام. خبردار لوگو! انسانی جان اور انسانی مال محترم ہے۔اور یہ اتنا ہی محترم ہے، جتنا خانۂ کعبہ محترم ہے۔ مسجد گرادی جائے تو جلسے جلوسوں سے پورے ملک کو آگ لگا دیں گے۔اور اگر انسانیت قتل ہوجائے تو خوشیاں منائیں گے۔ نبیؐ نے صاف کہا کہ: حرام کحرمة یومکم هـٰـذا. جیسے یہ آج کا دن محترم ہے، جیسے یہ خانۂ کعبہ محترم ہے، جیسے یہ شہر محترم ہے، ایسے یہ انسانی جان بھی محترم ہے۔اس کے احترام کی بنیاد پر قانون بننا چاہیے۔اس قانون کے طریقۂ کار کو طے کیا جانا چاہیے۔اسی کے مطابق عدالتی، سیاسی، معاشی، سماجی نظام قائم ہونا چاہیے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنے اہم ترین سوالات مسلمان معاشرے کے سامنے ہیں۔ اور ان سے نظریں چرا کر سطحی ضمنی اور جذباتی بنیادوں سے لڑنے سے اسے فرصت نہیں۔ یہ غلامی کے رویے ہم کب ختم کریں گے؟ یہ زوال پذیر معاشروں کی سوچ ہمارے معاشرے سے کب ختم ہوگی؟ کب ہم زندہ معاشرے کی حیثیت سے اپنے معاشرے کے بنیادی مسائل کا اِدراک کریں گے؟ کب اس کے حل کرنے کے لیے عزم، پختہ ارادہ اور تربیت یافتہ جماعت تشکیل دیں گے؟ کب اس کے لیے ہم بنیادی اقدامات طے کر کے اپنے معاشرے کے تمام انسانوں کے سیاسی، معاشی حقوق کے تحفظ کے لیے سسٹم بنائیں گے؟ جن عالمی سامراجی طاقتوں کے بل بوتے اور اشارے پر ہم یہ حرکتیں کرتے ہیں، وہ تو اپنے معاشرے میں اپنا عدالتی نظام، اپنا سیاسی اور معاشی نظام، اپنے سرمایہ دارانہ یا کیمونسٹ نظریے پر بہترین اُسلوب پر قائم کرے۔ اور ہم جو ان کی تنخواہ پر پلنے والے ہیں، ان کے اشاروں پر ناچنے والے ہیں، ہمارے معاشرے قتل در قتل، دہشت گردی، تباہی و بربادی کے عمیق غار کے اندر مبتلا ہیں۔کم از کم انھی سے عقل سیکھ لینی چاہیے کہ انھوں نے اپنے قومی معاشروں کی تشکیل کے لیے کیا کردار ادا کیا؟ ان کی قومی ترقی کے بنیادی اقدامات کیا ہیں؟

جو بھی متنازع مسئلہ ہوتا ہے، اس کے بارے میں ایک واضح قانون، واضح راستہ اور طریقۂ کار وضع کیا جانا ضروری ہے۔مسلمان معاشرہ ہے تو مسلمانوں کے لیے قرآن وسنت کی بنیاد پر سسٹم تشکیل دینا اور اس کے بنیادی امور طے کرنا، مسلمان معاشرے کی ضرورت ہے۔ جیسے سرمایہ داری معاشرہ کیپٹل اِزم کی اساس پر قانون سازی کرتا ہے۔ کیمونسٹ معاشرہ مارکس اِزم کی اساس پر اس کے ذیلی اور ضمنی قوانین تشکیل دیتا ہے۔تو کیا قرآن کی بنیاد پر مسلمان اپنے معاشرے کے بنانے اور چلانے کی صلاحیت سے عاری ہوگئے؟ کیا ان کا قرآن سے تعلق صرف چومنے چاٹنے کا ہے؟ صرف تعویذ گنڈے کا ہے؟ محض رسم پوری کرنے کا ہے؟ محض تلاوت کے نام پر رَٹے ہوئے حافظ کی طرح صرف پڑھنے کا ہے؟ اس کے اندر جو زندگی موجود ہے، انسانی سوسائٹی کی ترقی اور کامیابی کے جو ضابطے موجود ہیں، کب تک ہم ان سے غافل رہیں گے؟ آج ہمیں یہ غفلت دور کرنی ہے۔اس جذباتیت کو ختم کرنا ہے۔ سسٹم کی خرابی کو سمجھنا ہے۔زوال پذیر دور کے سسٹم اور نظام نے ہمیں جو تباہی اور بربادی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے، اس کو سمجھنا ہے۔اور قرآنی تعلیمات، دین کی سچی تعلیمات کے مطابق اپنا سسٹم بنانے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ تبھی دنیا کی کامیابی ہے۔اور آخرت کی کامیابی ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کو درست تناظر میں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): ایک شخص نے مجھ سے قرض لیا ہے۔اور وہ اتنا غریب ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ تو کیا جو قرض میں نے اس کو دیا ہے، اس سے اپنی زکوٰۃ کی کٹوتی کر سکتا ہوں؟

سائل: محمد حنیف بالاکوٹ

جواب: زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔اس لیے قرض میں سے کٹوتی کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ بلکہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ کی رقم کا اس مقروض کو مالک بنا دے۔اور پھر اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے کہا جائے۔اگر بعینہٖ وہی زکوٰۃ کی رقم قرض کی ادائیگی کے طور پر دے دے تو کچھ حرج نہیں ہوگا۔

سوال (2): گائے اور دیگر جانوروں کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، کیا عقیقے میں بھی سات آدمی ایک گائے میں شریک ہو سکتے ہیں؟

سائل: محمد دلشاد حاصل پور

جواب: گائے اور دیگر بڑے جانوروں میں عقیقے کی نیت سے سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن تمام شرکا کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہونی چاہیے۔صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔نیز کسی شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔

سوال (4): ایک مکان میں آگ بھڑک اُٹھی۔جس میں مسلم و غیر مسلم متعدد افرد جل گئے۔ان کی شناخت بالکل ختم ہو چکی ہے۔نمازِ جنازہ اور دیگر احکاماتِ تدفین کی کیا صورت ہوگی؟

سائل: عدیل رمضان لاہور

جواب: جلنے کی وجہ سے نعشوں کی شناخت ممکن نہیں تو ان کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ کے متعلق شرعاً حکم یہ ہے کہ اگر وہ قابل غسل ہوں تو ان سب کو غسل دیا جائے۔اور ان سب کو کفن پہنایا جائے۔اور نمازِ جنازہ میں سب میتوں کو سامنے رکھا جائے۔اور نمازِ جنازہ پڑھتے وقت صرف مسلمان مرنے والوں کی نیت کی جائے۔

سوال (5): مغرب کی نماز میں دو رکعت پڑھنے کے بعد امام صاحب تشہد بھول گئے۔اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مقتدی سمجھتے رہے کہ امام صاحب تشہد پڑھ رہے ہیں۔اور وہ تشہد میں مصروف ہو گئے۔ امام صاحب نے تیسری رکعت کے لیے رکوع کی تکبیر کہی تو مقتدیوں پر امام کی صورتِ حال واضح ہوگئی۔ چناں چہ جلدی سے وہ کھڑے ہوئے اور کچھ مقتدی تو امام صاحب کے ساتھ رکوع میں شامل ہو گئے اور کچھ مقتدیوں نے امام کے بعد رکوع ادا کیا۔اور بقیہ نماز میں امام کے ساتھ شامل ہو گئے۔اور امام صاحب نے تشہد کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہو بھی کیا تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ ایسے مقتدی، جنھوں نے تیسری رکعت میں بھول کر امام کے ساتھ شرکت نہیں کی، ان کی نماز شرعاً درست ہوئی یا نہیں؟

سائل: نصراللہ ناصر مانسہرہ

جواب: جن مقتدیوں نے رکوع کر کے بقیہ نماز میں امام کے ساتھ شمولیت کر لی، ان کی نماز درست ہے۔اگرچہ انھوں نے امام صاحب کے بعد رکوع ادا کیا ہے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔